مباحثہ ومکالمہ

حافظ صلاح الدین یوسف

کیا غامدی فکر و منہج ائمہ سلف کے فکر و منہج کے مطابق ہے؟

غامدی صاحب کے دعوائے مطابقت کا جائزہ ۔ ۸

ایک اور مغالطہ انگیزی اور علما پر طعنہ زنی

غامدی صاحب فرماتے ہیں:

''الائمة من قریش مشہور روایت ہے؛ (مسند احمد، رقم 11898) اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے ہمارے علما اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ مسلمانوں کے حکمران صرف قریش میں سے ہوں گے، دراں حالے کہ یہ بات مان لی جائے تو اسلام اور برہمنیت میں کم سے کم سیاسی نظام کی حد تک کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا؛ اس مغالطے کی وجہ محض یہ ہوئی کہ ایک بات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد کی سیاسی صورت حال کے لحاظ سے کہی گئی تھی؛ اسے دین کا مستقل حکم سمجھ لیا گیا۔'' (میزان، ص 64)

یہ محض علما پر طعنہ زنی ہے؛ علما نے اس سے وہی کچھ سمجھا ہے جس کی وضاحت خود انھوں نے کی ہے؛ علما نے اسے دین کا مستقل حکم نہیں سمجھا؛ اس کی جو وضاحت شیخ محمد ابوزہرہ نے علمائے اسلام کے موقف کی اور تمام احادیث و آثار کی روشنی میں کی ہے، وہ ملاحظہ فرمائیں:

نظر بریں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان اخبار و آثار سے قطعی و حتمی طور پر ثابت نہیں ہوتا کہ امامت قریش میں مقصور و محدود ہے اور اگر کوئی اور خلیفہ ہوگا تو اس کی خلافت، خلافت نبوت نہیں ہوگی؛ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آپ امت کو مامور فرما رہے ہیں کہ خلافت صرف قریش تک محدود ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کا فرمان طلب وجوب کے لیے ہے بلکہ آپ کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ قریش کی امامت افضل ہے نہ یہ کہ کسی اور کی امامت صحیح نہیں؛ اس کی وجہ بخاری و مسلم کی یہ روایات ہیں:

۱۔ ابوذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھے میرے دوست (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت فرمائی کہ اگر تم پر ایک نکٹے حبشی کو بھی امام بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت کرتے رہنا۔

۲۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم پر ایک حبشی کو امام بنا دیا جائے جس کا سر

منقیٰ ایسا ہو تو اس کی بات سننا اور اس کے اطاعت شعار رہنا۔

ایک تیسری روایت اسی مفہوم کی صحیح مسلم سے نقل کر کے شیخ ابوزہرہ لکھتے ہیں:

''اگر مذکورۃ الصدر روایات کو حدیث 'ان ھذا الامر فی قریش' کے ساتھ یک جا کر کے دیکھا جائے تو حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ نصوص بہ حیثیت مجموعی یہ تاثر پیدا نہیں کرتیں کہ امامت قریش میں محدود ہے اور کسی اور کی خلافت صحیح نہیں؛ بہ خلاف ازیں احادیث کا بہ حیثیت مجموعی یہ مفہوم ہوگا کہ غیر قریش کی امامت درست ہے اور آپ نے حدیث 'الامر فی قریش' میں اخبار بالغیب کے طور پر ایک ہونے والے واقعے سے آگاہ فرمایا تھا یا آپ کا مقصد یہ ہوگا کہ قریش کی خلافت دوسروں سے افضل ہے؛ یہ مطلب نہیں ہے کہ سرے سے کسی اور کی خلافت درست نہیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق کے قول کا محمل اور مطلب بیان کر کے لکھتے ہیں:

''جب امامت کا انحصار وقوت وشوکت پر رکھا گیا ہے تو جہاں یہ اوصاف پائے جائیں گے، وہیں خلافت وامامت پائی جائے گی؛ یہ ہے امامت کے قریش میں ہونے کی اصل وجہ! اور یہ ہے ان آثار صحیحہ اور اس مناط ومدار کی حقیقت و ماہیت جس پر حضرت ابوبکر کے خلیفہ منتخب ہونے کے بارے میں اجماع منعقد ہوا تھا۔'' (المذاہب الاسلامیہ، اردو، ص 112-113)

گرگٹ کی طرح حالات وضرورت کے مطابق رنگ اور بھیس بدلنا

علمائے اسلام کا رویہ اور طرز استدلال آپ نے دیکھ لیا کہ وہ تمام احادیث کو دیکھتے اور ان سے بہ حیثیت مجموعی جو بات ثابت ہوتی ہے، اس کو اختیار کرتے ہیں؛ اس کو جمع وتطبیق کہا جاتا ہے؛ اس سے راویات کا ظاہری تعارض کا بھی دور ہو جاتا ہے اور مسئلے کے سارے پہلو بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ علمائے اسلام اس طرح کے ظاہری تعارض کو باہم متناقض ثابت کر کے احادیث کو رد نہیں کرتے بلکہ ان کا معقول حل اور محمل تلاش کر لیتے ہیں۔

اس کے برعکس منکرین حدیث اس قسم کے ظاہری تعارض کو دیکھ کر بڑے خوش ہوتے ہیں اور ان کو باہم متناقض قرار دے کر یا تو ساری متعلقہ احادیث کو رد کر دیتے ہیں جیسے رجم کی مستند اور متفق علیہ روایات کو رد کر دیا گیا یا پھر ان سے کوئی غلط مسئلہ نکال لیتے ہیں دراں حالے کہ ان سے وہ مسئلہ نہیں نکلتا؛ اس کی مثال خود غامدی صاحب کی 'میزان' سے ملاحظہ فرمائیں:

''چوتھی چیز یہ ہے کہ کسی حدیث کا مدعا متعین کرتے وقت اس باب کی تمام روایات پیش نظر رکھی جائیں؛ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حدیث کا ایک مفہوم سمجھتا ہے لیکن اسی باب کی تمام روایتوں کا مطالعہ کیا جائے تو وہ مفہوم بالکل دوسری صورت نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال تصویر سے متعلق روایتیں ہیں: ان میں سے بعض کو دیکھیے تو بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی تصاویر ممنوع قرار دی گئی ہیں لیکن تمام روایتیں جمع کیجیے تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ممانعت کا حکم صرف ان تصویروں کے بارے میں ہے جو پرستش کے لیے بنائی گئی ہوں۔ حدیث کے ذخیرہ سے اس طرح کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں لہٰذا یہ ضروری ہے کہ کسی حدیث کی مفہوم میں تردد ہو تو احادیث باب کو جمع کیے بغیر اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہ کی جائے۔'' (میزان، ص 64-65)

اس اقتباس کو پڑھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ غامدی صاحب کی شخصیت گرگٹ کی طرح ہے جو رنگ بدلتی رہتی ہے اور موصوف حالات وضرورت کے تحت بھیس بدلتے رہتے ہیں؛ اس کی وجہ فکر ونظر میں پختگی کی کمی ہی نہیں بلکہ ابن الوقتی اور اسلام کے روئے آب دار کو مسخ کرنا ہے: یہ مقصد جس طرح بھی حاصل ہو، اس کے لیے اس طریقے کے اختیار کرنے میں انھیں کوئی تامل نہیں ہوتا اور جو بھی ہتھکنڈا انھیں اپنانا پڑے، اس کے لیے وہ تیار رہتے ہیں۔

انھیں اپنے یا ان کے 'امام' کے خود ساختہ نظریہ رجم کے اثبات میں رجم کی صحیح، متواتر اور متفق علیہ روایات حائل نظر آئیں تو ان کو باہم متناقض باور کرا کے یا قرآن کے خلاف قرار دے کر رد کر دیا۔

اب اس تازہ اقتباس میں انھوں نے اس کے بالکل برعکس رویہ اختیار کیا ہے؛ یہاں وہ تلقین فرما رہے ہیں کہ ایک مسئلے سے متعلقہ تمام احادیث کو دیکھنا چاہیے؛ اس سے ان کا ظاہری تعارض بھی دور ہو جاتا ہے اور مسئلے کے سارے پہلو بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ یہاں ان کی یہ بات درست ہے اور یہ وہی موقف ہے جو احادیث کی تشریعی حیثیت کے قائلین کا ہے؛ اگر یہی موقف احادیث رجم میں بھی اختیار کر لیا جاتا تو ان کا ظاہری تناقض بھی دور ہو جاتا اور رجم کے حد شرعی ہونے کا پہلو بھی نمایاں ہو کر سامنے آ جاتا لیکن وہاں چوں کہ ان کی ضرورت کچھ اور تھی، وہاں جمع وتطبیق کی یہ صورت جو علما ومحدثین بیان کرتے اور اختیار کرتے ہیں اور یہاں خود غامدی صاحب نے بھی اسے اختیار کر کے بیان کیا ہے، وہاں اسے اختیار نہیں کیا۔ لیکن یہاں اس کو اختیار کر لیا کیوں کہ یہاں ان کی ضرورت کچھ اور ہے اور وہ ہے تصویر سازی کا جواز واثبات۔

لیکن چوں کہ ان کی نیت اور مقصد میں فساد ہے، اس لیے طریقہ تو یقیناً محدثین والا اختیار کیا ہے تاہم نتیجہ محدثین کے نتائج سے یک سر سے مختلف اخذ کیا ہے: اس باب کی یہی تمام حدیثیں محدثین اور علماے اسلام کے سامنے بھی ہیں اور آج ہی نہیں، صدیوں سے ہیں لیکن ان کو کسی حدیث سے بھی تصویر کا جواز معلوم نہیں ہوا اور وہ آج بھی احادیث کی وجہ سے تصویر کی حرمت ہی کے قائل ہیں نہ کہ جواز کے۔

اس گروہ سے پوچھا جائے کہ کون سی حدیث کے کون سے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ ممانعت کا حکم صرف ان تصویروں کے بارے میں ہے جو پرستش کے لیے بنائی گئی ہوں کیوں کہ حدیث میں تو وجہ ممانعت، اللہ تعالیٰ کی صنعت خالقیت میں مشابہت ہے۔

علاوہ ازیں اگر ممانعت کی یہی علت (پرستش سے بچانا) تسلیم کر لی جائے، تب بھی اس کا جواز ثابت نہیں ہوتا؛ اس لیے کہ یہ علت آج بھی موجود ہے؛ آپ ان قبروں پر جا کر دیکھ لیں جو پرستش گاہیں بنی ہوئی ہیں اور مرجع خلائق ہیں؛ وہاں ننگ دھڑنگ ملنگوں اور صدیوں پہلے فوت شدہ بزرگوں کی جعلی تصویریں خوب فروخت ہوتی ہیں؛ لوگ ان کو لے جا کر فریم کروا کے گھروں اور دکانوں میں تبرک کے طور پر لٹکاتے ہیں؛ کیا یہ پرستش کی صورت نہیں ہے؟ گویا غامدی صاحب کا مذکورہ اقتباس ان کے تضاد کا بھی مظہر ہے اور بلا دلیل دعوے کا بھی۔

جھوٹ اور بلا دلیل دعوے

اور بھی انھوں نے بلا دلیل دعوے کیے ہیں جن کی کچھ تفصیل گذشتہ صفحات میں بھی گزری؛ مثلاً:

رجم کی تعزیری سزا کا مبنیٰ، آیت محاربہ ہے اور یہ بات وحی خفی کے ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائی گئی۔ اول تو موصوف وحی خفی سے کسی حکم کے اثبات کے قائل ہی نہیں ہیں اور پھر یہ سراسر جھوٹ اور دلیل دعویٰ ہے؛ اگر وہ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں تو کوئی حدیث پیش کریں۔

ان کا یہ دعویٰ بھی بلا دلیل بھی ہے اور جھوٹ بھی کہ ائمہ سلف اور ان کے موقف میں سرمو فرق نہیں ہے۔

ان کا دعویٰ ''صرف کتاب وسنت تنقید سے بالا ہے'' سراسر جھوٹ، فریب اور بلا دلیل ہے؛ سنت نبوی کو تو وہ مانتے ہی نہیں ہے؛ ہاں، سنت جاہلیہ کو وہ مانتے ہیں؛ اگر یہ سنت جاہلیہ جو ان کے نزدیک کے قرآن سے بھی مقدم ہے، ان کے نزدیک تنقید سے بالا ہے تو یہ غامدی گروہ ہی کو مبارک ہو؛ اہل اسلام تو اس بات کو ماننے سے رہے۔

''امام فراہی کی تحقیق قرآنی نصوص پر مبنی ہے'' سراسر جھوٹ، فریب اور بلا دلیل دعویٰ ہے؛ یہ تو قرآن میں تحریف معنوی ہے؛ اسے قرآنی نصوص کس طرح باور کیا جا سکتا ہے؟

حضرت ماعز بن مالک اور غامدی قبیلے کی صحابیہ، ان کی بابت دعویٰ کہ ''وہ غنڈے، بدمعاش اور اوباش وآوارہ منش تھے؛ وہ عورت پیشہ ور بدکار (قحبہ) تھی'' بلا دلیل اور جھوٹ ہے۔

ان کا یہ دعویٰ جھوٹ اور بلا دلیل ہے کہ ''قرآن نے اپنے متعلق یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ وہ قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔'' (میزان، ص 31)

قرآن میں یہ صراحت کہاں ہے؟

کلام عرب یعنی زمانہ جاہلیت کے عرب شعرا کا کلام، جو فراہی گروہ کے نزدیک قرآن فہمی میں احادیث سے بھی زیادہ مستند اور مفید ہے، اس کی بابت دعویٰ ہے کہ

> ''لغت وادب کے ائمہ اس بات پر ہمیشہ متفق رہے ہیں کہ قرآن کے بعد یہی کلام ہے جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور جو صحت نقل اور روایت باللفظ کی بنا پر زبان کی تحقیق میں سند وحجت کی حیثیت رکھتا ہے۔'' (میزان، ص 19)

کتنا بڑا دعویٰ ہے لیکن بلا دلیل اور پھر اس کی صحت نقل کا دعویٰ اس سے بھی عجیب تر ہے؛ نقد حدیث کے تو اصول وضوابط منضبط ہیں، اس کے باوجود وہ غیر محفوظ اور کلام عرب جس کی نہ کوئی سند ہے اور نہ پرکھنے کے اصول وضوابط، پھر بھی ان کی صحت نقل کا دعویٰ! ان ھذا الاشیء عجاب.

اور ستم ظریفی کی انتہا، یہ کلام عرب اس کے باوجود کہ اس میں کچھ منحول کلام بھی شامل ہے (یعنی جعلی) (میزان، ص 19) پھر بھی سب سے زیادہ با اعتماد ہے۔

پھر یہ دعویٰ دیکھیے:

''جس طرح نقد حدیث کے علما اس کی صحیح وسقیم روایتوں میں امتیاز کر سکتے ہیں؛ اسی طرح اس کلام کے نقاد بھی روایت و حدیث کے نہایت واضح معیارات کی بنا پر اس کے خالص اور منحول کو ایک دوسرے سے الگ کر سکتے ہیں۔''
(میزان، ص 19)

نقد حدیث کے ذریعے سے صحیح سقیم روایتوں میں امتیاز کیا جا سکتا ہے؛ علمائے اسلام تو اس بات کو مانتے ہیں لیکن آپ تو اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں؛ پھر اس کا حوالہ کیوں؟

پھر کلام عرب میں اصل اور جعلی کے پہچاننے کے نہایت واضح معیارات کیا ہیں؟ اور کہاں ہیں؟ کیا اس کی نشان دہی کی جا سکتی ہے؟

حدیث باسند کلام نبوی ہے؛ علاوہ ازیں اس کے پرکھنے کے اصول وضوابط بھی موجود ہیں؛ پھر بھی وہ غیر مستند اور کلام عرب، جس میں منحول (یعنی الحاقی اور جعلی) بھی ہے اور نقد و تحقیق کے کوئی اصول وضوابط بھی نہیں؛ وہ سب سے زیادہ مستند اور قابل اعتماد؟ تلك اذاً قسمة ضيزىٰ۔

بے انصافی اور تحقیق کا ایک اور نمونہ

ان مغالطات، تضادات، بلا دلیل دعووں کے ساتھ اب ان کی بے انصافی کا ایک اور نمونہ اور تحقیق کا ایک اور انداز بھی دیکھ لیں۔

محدثین نے حدیث کی سند کی تحقیق کے لیے جو اصول وضوابط مقرر اور وضع کیے ہیں، ان کی تعریف کرتے ہوئے غامدی صاحب فرماتے ہیں:

''سند کی تحقیق کے لیے یہ معیار محدثین نے قائم کیا ہے اور ایسا قطعی ہے کہ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جا سکتی۔''
(میزان، ص 61)

لیکن اس کے باوجود احادیث غیر معتبر اور غیر محفوظ لیکن کلام عرب جس کی بابت وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ اس میں جعلی اور الحاقی (منحول) کلام بھی ہے یعنی عرب شعرا کے اصلی کلام میں جعلی کلام بھی شامل کر دیا گیا ہے اور اس کے اصلی اور جعلی کلام کو متمیز کرنے کا کوئی اصول وضابطہ بھی نہیں ہے، نیز وہ باسند بھی نہیں ہے؛ پھر بھی وہ سب سے زیادہ مستند اور قابل اعتماد ہے۔

اپنی اس بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے حضرت عمر ؟ کا ایک بے سند قول نقل کیا ہے؛ حضرت عمر نے فرمایا:

عليكم بديوانكم لا تضلوا؛ قالوا ما ديوانا؟ قال: شعر الجاهلية، فان فيه تفسير كتابكم و معاني كلامكم۔

''تم لوگ اپنے دیوان کی حفاظت کرتے رہو، گم راہی سے بچے رہو گے؛ لوگوں نے پوچھا: ہمارا دیوان کیا ہے؟ فرمایا: اہل جاہلیت کے اشعار، اس لیے کہ ان میں تمھاری کتاب کی تفسیر بھی ہے اور کلام کے معانی بھی۔''

غامدی صاحب نے اس قول کا انتساب حضرت عمر کی طرف کیا ہے؛ جب ہم نے اصل کتاب تفسیر بیضاوی میں یہ

قول دیکھا تو اس میں 'رُوِیَ' کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے (انوار التنزیل، بیضاوی 1/459)، اور جو بات 'رُوِیَ' یا 'قِیلَ' سے بیان کی جاتی ہے، وہ بے سروپا سمجھی جاتی ہے کیوں کہ اس کا راوی ہی مجہول یعنی نامعلوم ہوتا ہے؛ خود غامدی صاحب کا موقف بھی ان الفاظ کے بارے میں یہی ہے جو ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔ (برہان، ص 284)

جب وہ خود 'رُوِیَ' یا 'قیـــل' سے مروی بات کو مردود اور ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں تو یہاں ایسے قول کو نقل کرنے کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ غامدی صاحب کا کوئی ایک موقف نہیں، کوئی اصول اور ضابطہ نہیں؛ ان کے نظریے اور زعم باطل کے خلاف بخاری و مسلم کی روایت بھی ہو تو وہ بھی ان کو (نعوذ باللہ) بے ہودہ روایت یا منافق کی گھڑی ہوئی نظر آتی ہے اور جس قول سے ان کی مطلب برآری ہوتی ہو تو وہ چاہے کیسا بھی گرا پڑا اور ناقابل اعتبار ہو، وہ ان کے نزدیک وحیِ الٰہی کی طرح معتبر ہے۔

ذرا غور کیجیے! یہ قول، قول عمر ہو سکتا ہے؟ جس میں قرآن کے بجائے اشعار جاہلیت کو گم راہی سے بچاؤ کا ذریعہ بتلایا گیا ہے اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے ان اشعار جاہلیہ کو قرآن کریم کی تفسیر اور اس کے معانی کے دریچے کھولنے والے باور کرایا گیا ہے؟ کیا واقعی حضرت عمر کے نزدیک قرآن و حدیث کے مقابلے میں اشعار جاہلیت کی اتنی اہمیت ہو سکتی ہے؟ یقیناً نہیں ہو سکتی؛ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ یہ فراہی گروہ جیسے باطل نظریات کا ڈسا ہوا کوئی شیطان صفت شخص ہی ہے جس نے یہ بات گھڑ کر حضرت عمر کی طرف منسوب کر دی ہے۔

اس کے مقابلے میں حد رجم کے قرآنی حکم ہونے کے بارے میں ان کا خطبہ صحیح بخاری میں صحیح ترین سندوں کے ساتھ بیان ہوا ہے: اس کی بابت غامدی صاحب نے کہا ہے کہ یہ روایت کسی منافق نے وضع کی (گھڑی) ہے۔ (برہان، ص 61) اور اپنے استاذ امام کی رائے نقل کی ہے کہ یہ بے ہودہ روایت ہے۔ (برہان، ص 62) حضرت عمر کا یہ خطبہ ان شاء اللہ آگے ان کے استاذ امام کے نظریہ رجم کی بحث میں ہم بیان کریں گے: یہ خطبہ صحیح بخاری کی کتاب الحدود، حدیث نمبر 283 میں اور موطا امام مالک میں ہے۔

یہ دونوں کتابیں احادیث کے صحیح ترین مجموعے ہیں؛ موطا امام مالک کی صحت کے تو فراہی گروہ کے امام اول مولانا حمید الدین فراہی بھی احادیث میں اپنے ذہنی تحفظات یا تضادات کے باوجود قائل تھے؛ چنانچہ ان کا ایک مکالمہ جو حدیث کی حجیت و عدم حجیت کے موضوع پر مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے درمیان ہوا، قابل ملاحظہ ہے؛ مولانا عبید اللہ سندھی لکھتے ہیں:

"مولانا حمید الدین مرحوم میرے بہت پرانے دوست تھے؛ قرآن شریف کے تناسق آیات میں ہمارا مذاق متحد تھا، اگرچہ طریقے اور پروگرام میں کسی قدر اختلاف رہا: وہ بائبل مجھ سے بہ درجہا اعلیٰ جانتے تھے اور میں حدیث ان سے زیادہ جانتا تھا۔ جب تک میں ہندوستان میں ان سے ملتا رہا، حدیث شریف کے ماننے کا جھگڑا کبھی ختم نہیں ہوا؛ اتفاقاً جس سال میں مکہ معظمہ پہنچا ہوں، اسی سال وہ بھی حج کے لیے آئے: ہماری باہمی مفصل ملاقاتیں رہیں: افکار میں بے حد توافق پیدا ہو گیا مگر وہاں بھی حدیث کے ماننے نہ ماننے پر بحث شروع ہو گئی۔ ہم نے سختی سے ان پر انکار کیا

اور کہا کہ حدیث کو ضروری ماننا پڑے گا؛ تنگ آ کر فرمانے لگے: آخر آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا: موطا مالک! فرمایا: ہم اس کو مانتے ہیں؛ میں نے کہا: بس آج سے ہمارا نزاع ختم ہے، ہم آپ کو صحیح ماننے کے لیے مجبور نہیں کرتے۔'' (ماہ نامہ الفرقان (بریلی) شاہ ولی اللہ نمبر، ص 287، مطبوعہ 1359ھ)

غامدی صاحب کے گم راہ نظریات کے جو متضاد دلائل، بے بنیاد دعوے اور تعلیات تھیں، الحمدللہ، اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے ہم نے ان کی اصل حقیقت واضح کر دی ہے جو اس شعر کی مصداق ہیں: ع

بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

جو بھی فریب خوردہ شخص اس مضمون کو طلب حق کی نیت صادق سے اور غیر جانب دارانہ انداز سے پڑھے گا، ان شاء اللہ اس پر ان افکار باطلہ کے پیچ و خم کی تہ در تہیں کھلتی چلی جائیں گی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حجیت واہمیت شرعی پر جو دبیز پردے ڈالنے کی مذموم سعی اس گروہ کی طرف سے کی گئی ہے اور مسلسل کی جا رہی ہے، وہ بے نقاب ہو جائے گی؛ گم راہی کی وضاحت اور حق وصواب کی نشان دہی کی کوشش سے ہمارا مقصد اتمام حجت ائمہ سلف کے موقف کو نمایاں کرنے اور گم گشتگان راہ ہدایت کو روشنی مہیا کرنے کے سوا کوئی اور نہیں، واللہ علیٰ ما نقول شہید، تا کہ اس کے بعد!!

لیهلك من هلك عن بینة ویحیی من حی عن بینة (الانفال 8:42)

''جو ہلاکت کو پسند کرے تو دلیل واضح کے بعد ایسا کرے اور جو زندہ رہے، وہ دلیل واضح پر زندہ رہے۔''

مسئلہ شہادتِ نسواں میں اِدعا آت اور مُسلمات کا انکار

اس مضمون کی تکمیل کے بعد ہمیں خیال آیا کہ آج سے 23 سال قبل 1989ء میں وفاقی شرعی عدالت میں مسئلہ شہادت نسواں پر بحث چلی تھی جس میں راقم نے بھی ایک مفصل مقالہ پیش کر کے حصہ لیا تھا۔ اس وقت عدالت کے چیف جسٹس گل محمد پرویزی ذہن کے حامل تھے؛ اس لیے انھوں نے غامدی صاحب کو بھی بلا کر ان کا موقف سنا تھا؛ راقم کو چیف جسٹس نے پابند کیا تھا کہ وہ ان کی بحث کو مکمل سنے، چناں چہ راقم نے اپنا بیان پیش کرنے کے بعد غامدی صاحب کے پیش کردہ دلائل بھی اپنے کانوں سے سنے۔ راقم کا خیال تھا کہ شاید چیف صاحب بعد میں راقم کو غامدی دلائل کا تجزیہ ومحاکمہ پیش کرنے کا موقع دیں گے لیکن جب یہ مرحلہ آیا اور راقم نے اس امر کی کوشش کی تو چیف صاحب نے فرمایا: آپ دونوں اخبار (اشراق، الاعتصام) کے اڈیٹر ہیں، وہاں اس مباحثے کو جاری رکھیں؛ عدالتی فورم اس کے لیے موزوں نہیں ہے۔

بہ ہر حال مسئلہ شہادت نسواں میں بھی اپنے عدالتی بیان میں غامدی صاحب نے مسلمات اسلامیہ کا انکار کرنے میں جس طرح کا ادعائی انداز اور تنہاروی کا مظاہرہ کیا، وہ دیدنی ہے؛ راقم نے ان کے دلائل کا یہ تجزیہ تحریری طور پر۔ اصل مقالہ کے علاوہ۔ عدالت میں پیش کر دیا تھا اور ماہ نامہ محدث، لاہور میں بھی شائع ہوا تھا؛ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے احباب وہاں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔